انتخابات ۲۰۰۲ء میں متحدہ مجلس عمل کا کردار

الطاف اللہ*

عدنان فیصل*

The present research paper highlights the role of Muttahida Majlis-e-Amal (MMA) in the 2002 national elections of Pakistan. This alliance of six religious political parties took part in these elections for a common cause and sidelined their religio-sectarian differences at least temporarily to work together for pursuing a shared political agenda. The MMA was consisted of Jami'at Ulama-e-Islam of Fazl-ur-Rehman (JUI-F), the Jami'at Ulema-e-Islam headed by Samiul Haq (JUI-S), the Jami'at Ulema-e-Pakistan led by the late Maulana Shah Ahmad Noorani (JUP-N), the Jama'at-e-Islami (JI) headed by Qazi Husain Ahmad, the Jami'at Ahl-e-Hadis (JAH) headed by Sajid Mir and a Shia minority Party, Islami Tehreek Pakistan (ITP), led by Sajid Naqvi. Apart from this a number of tiny religious groups and jihadi organizations also worked under the auspices of MMA. The paper would thus focus on its overall performance in these elections, its election campaign and political manifesto through which MMA tried to convince the electorate in its favour.

کسی بھی سیاسی معاشرے میں حکومت کے اہم فیصلوں کا اختیار شہریوں کے منتخب نمائندوں کو سونپا جاتا ہے۔ حق بالغ رائے دہی کے ذریعے کسی فرد یا افراد کے رسمی چناؤ کو انتخابات کہا جاتا ہے۔ انتخابات ہی کی بدولت یہ عوامی نمائندے اِس قابل ہوتے ہیں کہ وہ ملک و قوم کے مفادات کو مدنظر رکھ کر اہم قومی اُمور اور فیصلوں کو بروئے کار لا سکیں۔ اس رسمی انتخابی عمل کی وساطت سے ملک کے

---

* ریسرچ فیلو، قومی ادارہ برائے تحقیق تاریخ و ثقافت، مرکزِ فضیلت، قائد اعظم یونیورسٹی، اسلام آباد۔

** آفس مینجر، ڈسٹرکٹ ریکنسٹرکشن یونٹ بٹگرام، پراونشل ارتھ کوئیک ریکنسٹرکشن،اینڈ ریہیبلٹیشن ایجنسی، خیبر پختونخوا۔

اہم عہدوں پر منتخب نمائندوں کو اپنی خدمات سر انجام دینے کا موقع ملتا ہے۔ جدید ریاستیں اس انتخابی طریق کار کو عمل میں لا کر اپنے شہروں کے اندر قومی معاملات میں شرکت کی دلچسپی کو فروغ دیتی ہیں۔ قومی اور سیاسی معاملات میں اس بلواسطہ شرکت سے عوام میں اطمینان کی لہر پیدا ہوتی ہے اور منتخب نمائندوں کو حکومتی اُمور کے بندوبست اور انتظام کا حق ملتا ہے۔ انتخابات ہی کی بدولت عوامی نمائندوں کو قومی معاملات سنبھالنے کا اختیار منتقل ہو جاتا ہے۔[۱]

جب حکومت نے عام انتخابات ۲۰۰۲ء کے انعقاد کا اعلان کیا تو ملک میں موجود تمام چھوٹی بڑی سیاسی پارٹیوں نے آٹھویں قومی انتخابات میں حصہ لینے کا فیصلہ کر لیا۔ بڑے اور قومی سطح پر آشکارا سیاسی پارٹیوں میں پاکستان پیپلز پارٹی (پارلیمنٹیرین)، مسلم لیگ (نواز گروپ)، پاکستان مسلم لیگ (قائد اعظم گروپ) اور متحدہ مجلس عمل (ایم ایم اے) جو کہ چھ مذہبی سیاسی پارٹیوں پر مشتمل تھا، کے نام قابلِ ذکر ہیں۔

متحدہ مجلس عمل

اگر ۲۰۰۲ء کے انتخابات میں کوئی سیاسی جماعت یا گروہ کسی مستحکم اور مضبوط نظریاتی بنیاد پر انتخابی میدان میں اُتر کر سامنے آیا اور صاف و واضح سیاسی منشور کا مظاہرہ کیا تو وہ چھ مذہبی جماعتوں پر مشتمل اتحاد ''متحدہ مجلس عمل'' تھا۔[۳] اسی اتحاد میں شامل تمام مذہبی سیاسی پارٹیوں نے ایک مشترکہ سیاسی انتخابی ایجنڈا کو عملی جامہ پہنانے کی خاطر اپنے درمیان موجود مذہبی فرقہ وارانہ اختلافات کو ایک طرف رکھ دیا۔[۴] متحدہ مجلس عمل میں جمعیت علمائے اسلام (فضل الرحمٰن)، جمعیت علمائے اسلام (سمیع الحق)، جمعیت علمائے پاکستان، جماعت اسلامی، جمعیت اہلحدیث اور اسلامی تحریک پاکستان شامل تھیں۔[۵] ان چھ مذہبی سیاسی جماعتوں کے علاوہ ملک میں ایک کثیر تعداد میں مختلف مذہبی اور جہادی گروہوں نے اِس اتحاد کے تحت کام کیا اور انتخابات میں متحدہ مجلس عمل کو کامیاب بنانے کیلئے دن رات محنت کی۔ اس اتحاد میں درجہ ذیل مذہبی سیاسی پارٹیاں شامل تھیں۔

جماعت اسلامی

جماعت اسلامی ملک میں منظّم مذہبی جماعتوں میں سے ایک ہے۔ اس جماعت کی بنیاد مولانا مودودی نے ۱۹۴۱ء میں لاہور میں رکھی جو ملک میں اسلامی ریاست کی داغ بیل کیلئے شروع ہی سے

سرگرم عمل ہے۔ اس کے نزدیک پاکستان کو لاحق مسائل کا حل صرف اور صرف اسلامی نظام کے نفاذ میں ہے۔[۶] جماعت اسلامی دوسرے مذہبی سیاسی جماعتوں سے اس لئے مختلف ہے کہ اس کی ساخت اور تنظیمی ڈھانچہ زیادہ منظّم اور کارآمد ہے۔ اس کی توجہ ہمیشہ قربانی سے دریغ نہ کرنے والے اشخاص پر اور خاص قسم کی تربیت دینے پر ہوتی ہے۔ جماعت کی تمام تر اعلیٰ کارکردگی کی بنیادی وجہ انتظامی نظم ونسق، اندرونی انتخابات اور اراکین کا کمر بستہ تعاون ہے۔[۷]

جماعت اسلامی نے آزادی ہند کے بعد پاکستان کے سیاسی تگ و دو میں اہم کردار ادا کیا۔ یہ احمدیہ تحریک کے خلاف اُٹھ کھڑی ہوئی۔ ۱۹۶۱ء میں ایوب خان کی فیملی لاء آرڈیننس کی بھرپور مخالفت کی اور یہاں تک کہ ۱۹۵۰ء سے ۱۹۷۷ء تک حزب اختلاف کی سیاست میں پیش پیش تھی۔[۸] ان سب خصلتوں اور خوبیوں کے باوجود جماعت اسلامی کا کردار انتخابی سیاست کے میدان میں پست رہا۔ ۱۹۷۰ء کے عام انتخابات میں یہ جماعت قومی اسمبلی کیلئے مختص کل تین سونشستوں میں سے صرف چار نشستوں پر کامیابی حاصل کرسکی۔ پاکستان قومی اتحاد (پی این اے) اور ۱۹۷۷ء کے انتخابات میں جماعت اسلامی نے حوصلہ افزا کردار ادا کیا۔ اس نے ذوالفقار علی بھٹو کی نظریہ اسلامی سوشلزم کی شدید مخالفت کرتے ہوئے اس کو غیر اسلامی قرار دیا اور حکومت کے ایجنڈے کے خلاف ایک منظّم مہم چلائی۔[۹]

ضیاء الحق کے دورِ حکومت میں پاکستان پر سعودی عرب کا اثر و رسوخ قدرے زیادہ رہا۔ مولانا مودودی ضیاء الحق کے ساتھ قربت کی وجہ سے ضیاء دور حکومت کا نظریاتی ترجمان کی حیثیت سے اُبھر کر سامنے آئے۔[۱۰] جماعت نے ضیاء کی اسلامائزیشن پالیسی سے فائدہ اٹھایا۔ جماعت اور حکومت کے مابین اچھے تعلقات ہی کی بدولت جماعت اسلامی نے بلدیاتی انتخابات کے دوران کراچی شہر کے نظامت بالترتیب ۱۹۷۹ء اور ۱۹۸۳ء میں کامیابی حاصل کی۔ ۱۹۸۵ کے انتخابات میں جماعت نے ۷ قومی اسمبلی کی نشستیں جیت لیں۔ جبکہ ۱۹۸۸ء میں اس نے اسلامی جمہوری اتحاد میں حصہ لیا اور قومی اسمبلی کی چھ نشستوں پر کامیابی حاصل کی۔ ۱۹۹۰ کے قومی انتخابات میں جماعت نے تین فی صد ووٹ حاصل کئے۔ جبکہ خیبر پختونخوا (سابقہ صوبہ سرحد)، پنجاب، اور سندھ صوبائی اسمبلی انتخابات میں بالترتیب چار، تین اور0.8 فی صد ووٹ حاصل کئے۔ ۱۹۹۳ء کے عام انتخابات میں اگرچہ جماعت

اسلامی کے نوجوان ونگ 'پاسبان' نے بڑے جلسے جلوسوں اور انتخابی مہمات کا انعقاد کیا لیکن کوئی قابل ذکر انتخابی کامیابی حاصل نہ کرسکی اور اگلے یعنی ۱۹۹۷ء انتخابات سے علیحدہ رہی۔ سیاسی اور انتخابی میدان میں جماعت اسلامی اب تک کوئی خاص کامیابی حاصل نہ کرسکی۔ البتہ اس جماعت میں شامل دانشور، ماہرتعلیم، لکھاری اور سکالر حضرات اس جماعت کا قیمتی اثاثہ ہیں۔ یہ ملک کی پہلی مذہبی سیاسی جماعت ہے جس نے مغرب کے پڑھے لکھے لوگوں کو اپنی صفوں میں جگہ دی اور جدید تعلیم کے حصول پر زور دیا۔ سماجی علوم اور سائنس کے میدان میں جماعت سے منسلک سکالرز جن میں اکثریت کی تعلیمی تربیت مغربی دنیا بالخصوص امریکہ میں ہوئی، نے تحقیق کے مختلف شعبوں میں اپنا اثر و رسوخ قائم و دائم رکھا۔ ملک میں سکالرز کی ایک خاص تعداد جو کہ حال یا ماضی میں جماعت کے ساتھ منسلک رہے، ملک کے مختلف تحقیقی اداروں مثلاً انسٹیٹیوٹ آف پالیسی سٹڈیز اور گیلپ وغیرہ میں اب بھی تحقیقی کام سے وابستہ ہیں۔ بلکہ وہی لوگ اِن اداروں کو چلا رہے ہیں۔**۱۱**

جمعیت علمائے اسلام

جمعیت علمائے اسلام کی تاریخ دارالعلوم دیو بند سے جا ملتی ہے۔ دارالعلوم دیوبند ۱۸۶۷ء میں قائم ہوئی جو کہ سنی فرقہ اسلام کی سرگرمیوں کا محور رہا۔ اس مدرسہ کی مذہبی تعلیم اور تعلیمی نصاب نے جدید تعلیم اور سامراجیت کے خلاف اپنا کردار بخوبی ادا کیا۔ اس کے نزدیک مسلمانوں کی سلطنت کے زوال کا سبب حقیقی اسلام سے روگردانی تھا۔ دینِ اسلام کی اصل حالت میں بحالی بذریعہ عربی زبان دیوبند کے مقاصد میں سے ایک تھا۔ علمائے دیو بند نے اس خاطر ۱۹۱۹ء میں ایک مذہبی سیاسی جماعت کی داغ بیل ڈالی، جس کا نام جمعیت علمائے ہند رکھا۔ اس جماعت کا سیاسی فلسفہ یہ تھا کہ برصغیر پاک و ہند متحد ہو اور ہندو اور مسلمان جدا نہ ہوں۔**۱۲** مسلمانوں کیلئے جداگانہ ریاست کا تصور اس جماعت کے نزدیک بیکار تھا۔ جمعیت علمائے ہند کے اکثر و بیشتر رہنماؤں اور کارکنوں کے نزدیک الگ ریاست (پاکستان) کا مطالبہ برطانوی سامراج کی سازش تھی، جس کے ذریعہ وہ ہندوستان کو دولخت کرنا چاہتے تھے۔ اس لیے یہ جماعت قائداعظم اور مسلم لیگ کی بھی مخالفت کرتی تھی۔**۱۳** ہندو ثقافت سے ٹکراؤ کے باوجود جمعیت علمائے ہند نے ہندوؤں کے زیر اثر کانگرس پارٹی کے ساتھ الحاق کو ترجیح دی جو کہ برطانوی سامراجیت سے نجات کیلئے پیش پیش تھی۔ ۱۹۴۶ء میں مولانا شبیر احمد عثمانی

جمعیت علمائے اسلام سے جدا ہو کر مسلم لیگ میں شمولیت ہو گئے اور اس طرح مولانا صاحب نے جمعیت علمائے اسلام کی بنیاد رکھی جس نے ریاست پاکستان کے حق میں اپنی آواز بلند کی۔۱۴

مولانا شبیر احمد عثمانی جمعیت علمائے اسلام کے پہلے نامزد صدر تھے جنہوں نے قرارداد مقاصد ۱۹۴۹ء کی تجویز پیش کی جو پاکستان کی آئینی ارتقاء کیلئے سنگ میل ثابت ہوئی۔ اس لیے یہ سیاسی مذہبی جماعت ملک میں تمام مذہبی تحریکوں کا بنیادی حصہ رہی۔ بعد میں مولانا مفتی محمود کی ایماء پر جمعیت علمائے اسلام کا ایک تاریخی کنونشن ملتان میں منعقد ہوا جس میں مولانا محمد علی لاہوری پارٹی کے صدر منتخب ہوئے جبکہ مولانا مفتی محمود اور غلام غوث ہزاروی بالترتیب نائب صدر اور ناظم اعلیٰ منتخب قرار پائے۔ ایوب خان کے دور حکومت میں سیاسی جماعتوں اور سرگرمیوں پر پابندی عائد ہوئی۔ تو ان مذہبی سیاسی رہنماؤں نے ایک نئے گروہ ناظم العلماء کے جھنڈے تلے ایوب خان کی فوجی آمریت کی خوب مخالفت کی۔۱۵ ۲۳ فروری ۱۹۶۲ء کومولانا لاہوری انتقال کر گئے تو جمعیت علمائے اسلام کی قیادت مولانا محمد درخواستی نے ۱۲ مارچ ۱۹۶۲ء کو سنبھال لی۔۱۶ اپریل-مئی ۱۹۶۲ء کو جب انتخابات منعقد ہوئے تو اس جماعت کے دو اراکین نے انتخابات لڑے جس کے نتیجے میں مولانا مفتی محمود قومی اسمبلی کے رُکن چُنے گئے جبکہ مولانا ہزاروی خیبر پختونخوا اسمبلی کے رُکن منتخب ہوئے۔ ۱۷ ۱۹۶۵ء میں پاک بھارت جنگ کے دوران جمعیت علمائے اسلام نے جہاد کانفرنس منعقد کی اور لوگوں سے فنڈز جمع کر کے حکومت کے ساتھ تعاون کیا اور ساتھ ساتھ حکومت پر زور دیا کہ کشمیر کے مسئلے کو اقوام متحدہ کی قرادادوں کے مطابق حل کرائیں۔ اگرچہ بعد میں یہ جماعت تاشقند معاہدے کے ساتھ متفق نہ تھی تاہم اس نے حزب اختلاف میں شمولیت اختیار نہیں کی۔۱۸

۱۹۶۹ء میں جمعیت علمائے اسلام پالیسی اُمور پر بنیادی اختلافات کی بنا پر دوحصوں میں بٹ گئی۔ ایک گروہ مولانا ہزاروی کی نگرانی میں آیا جو کہ بالآخر ۱۹۷۷ء میں پاکستان پیپلز پارٹی میں شامل ہو گئے جبکہ دوسرے گروہ کو مولانا مفتی محمود کی سربراہی حاصل تھی جس نے پیپلز پارٹی کے چیئرمین ذوالفقارعلی بھٹو کو ۱۹۷۰ء کے انتخابات میں تاریخی شکست سے دوچار کیا۔ ان انتخابات کے نتیجے میں خیبر پختونخوا میں اگرچہ نیشنل عوامی پارٹی ولی خان ۱۳ صوبائی نشستوں پر کامیابی حاصل کر کے اکثریتی پارٹی کے طور پر سامنے آئی۔ لیکن مولانا مفتی محمود نے سیاسی گٹھ جوڑ سے کام لیتے ہوئے نیپ سے

الحاق کیا اور اس طرح مولانا صاحب مئی ۱۹۷۲ء میں وزیر اعلیٰ خیبر پختونخوا نامزد ہوئے۔**۱۹**

۱۵ فروری ۱۹۷۳ء میں بلوچستان میں نیپ کی حکومت ہٹانے پر خیبر پختونخوا میں مفتی محمود کی حکومت احتجاجاً مستعفی ہو گئی۔ **۲۰** بعد ازاں مولانا صاحب نے پاکستان قومی اتحاد تشکیل دیا جس کا بنیادی مقصد ذوالفقار علی بھٹو کو دوبارہ منتخب ہونے سے روکنا تھا۔ مولانا صاحب کی وفات کے بعد اُن کے بڑے فرزند مولانا فضل الرحمٰن نے اُن کی جگہ لی اور پارٹی کے مرکزی شوریٰ نے اُن کو ڈپٹی جنرل سیکرٹری منتخب کیا۔**۲۱**

جمعیت علمائے اسلام مختلف پالیسی امور پر اختلافات کی وجہ سے ایک بار پھر دوگروہوں میں تقسیم ہوئی۔ مولانا فضل الرحمٰن کے زیرنگرانی جمعیت علمائے اسلام کا ایک گروہ مولانا فضل الرحمٰن جبکہ دوسرا گروہ ابتدائی طور پر مولانا درخواستی کے زیر سایہ رہا جبکہ کچھ عرصہ بعد اس کی قیادت مولانا سمیع الحق جمعیت العلمائے اسلام (مولانا سمیع الحق) کے نام سے موسوم ہوا۔

۱۹۹۳ء کے عام انتخابات میں جمعیت علمائے اسلام (ف) نے قومی اسمبلی کی چار نشستوں پر کامیابی حاصل کی جبکہ اگلے انتخابات یعنی ۱۹۹۷ء میں صرف دو قومی نشستیں جیت لی اور پارٹی کے سربراہ مولانا فضل الرحمٰن نے اپنی نشست ہار گئے۔**۲۲** جمعیت علمائے اسلام (ف) نے اپنے پڑوسی ملک افغانستان میں طالبان کی ابتدائی کامیابی کو مدِ نظر رکھتے ہوئے پاکستان میں بھی اُسی بنیاد پر نظامِ حکومت رائج کرنے کی خواہش کا اظہار کیا۔ اسی خاطر اس پارٹی نے آئین شریعت کانفرنس اکتوبر ۱۹۹۷ء میں لاہور میں منعقد کروائی اور پارٹی سربراہ مولانا فضل الرحمٰن نے انتخابی مہم کے ساتھ ساتھ اسلامی انقلاب کی راہ اختیار کر لی۔ جب حکومت نے امریکہ کے ساتھ دہشت گردی کے خلاف عالمی جنگ میں حامی بھر لی تو جمعیت علمائے اسلام (ف) نے حکومت کے خلاف آواز اُٹھائی اور طالبان حکومت کے ساتھ یکجہتی کا اظہار کیا۔**۲۳** امریکہ اور اس کے اتحادی افغانستان میں طالبان حکومت کے خاتمے اور بین الاقوامی برادری کے ساتھ ملکر دہشگردی کے خلاف عالمی جنگ میں ہر سو کامیابی کے خواہاں تھے۔ اسی اثناء جمعیت علمائے اسلام (ف) نے ملک کے دور دراز علاقوں سے امریکہ اور مشرف حکومت کے خلاف عوامی تعاون حاصل کرنے کیلئے تگ و دو شروع کی۔ حکومت نے پارٹی کے تحریک کو دبانے کیلئے مولانا فضل الرحمٰن کو گرفتار کر لیا تاہم ۲۰۰۱ء میں جمعیت علمائے اسلام(ف) کا

زور اُس وقت ماند پڑ گیا جب طالبان حکومت کو گرا دیا گیا۔۲۴

جمعیت علمائے اسلام (ف) متحدہ مجلس عمل کی سب سے بڑی شاخ اُبھر کر سامنے آئی اور اس اتحاد کے اندر ۲۰۰۲ء کے قومی انتخابات میں اکتالیس قومی نشستوں پر کامیابی حاصل کی۔ اس مذہبی سیاسی پارٹی نے بلوچستان کے صوبائی انتخابات میں تمام نشستوں پر کامیابی حاصل کی۔ جبکہ خیبر پختونخوا میں ۲۹ نشستیں جیت لیں۔۲۵

جمعیت علمائے اسلام(سمیع الحق)

متحدہ مجلس عمل کے اتحاد کی تیسری بڑی پارٹی جمعیت علمائے اسلام(س) تھی جس کی قیادت مولانا سمیع الحق کر رہے تھے۔ جس طرح جمعیت علمائے اسلام (ف) کی تشہیر میں دارالعلوم دیوبند کا مرکزی کردار رہا اُسی طرح جمعیت علمائے اسلام(س) کی مقبولیت میں دارالعلوم حقانیہ پیش پیش رہا۔ دارالعلوم حقانیہ ایک مشہور اور جانا پہچانا اسلامی مدرسہ ہے جو کہ اکوڑہ خٹک میں واقع ہے۔ گزشتہ پانچ دہائیوں میں اس مدرسہ سے ہزاروں طلباء مستند ہو چکے ہیں۔ ان طلباء میں سے بہت سارے مشہور شخصیات مثلاً یونس خالص جو کہ حزب اسلامی افغانستان کا سربراہ رہا، جلال الدین حقانی جنوبی افغانستان میں نامی گرامی جہادی رہنما رہے اور حتیٰ کہ مولانا فضل الرحمٰن بھی اسی دارالعلوم کے سند یافتہ ہے۔ اس مدرسہ میں ایک بڑا کتب خانہ موجود ہے جس میں ایک لاکھ سے زیادہ کتابیں اور چار سو صفحات پر مشتمل فتوے موجود ہے۔ تدریسی طریقہ کار، نصاب اور دوسرے متعلقہ سرگرمیاں اس دارالعلوم نے دارالعلوم دیوبند ہی سے اخذ کئے ہیں۔ اس لیے اس کو دوسرا دیوبند بھی کہا جاتا ہے۔۲۶

افغانستان میں گیارہ سال پر مبنی روسی قبضے کے خلاف جہاد کی بدولت اس مدرسہ کو خاص شہرت ملی۔ اس جہاد کو روس کے دشمنِ اوّل امریکہ کی سرپرستی اور بالواسطہ تعاون حاصل تھا۔ بعد ازاں روس کے انخلاء کے بعد افغانستان میں فرقہ وارانہ جنگ و جدال کے دوران یہ مدرسہ بین الاقوامی توجہ کا مرکز بنا۔ جب افغانستان میں طالبان تحریک شروع ہوئی تو اس مدرسہ نے نرسری کا کردار ادا کیا۔۲۷ طالبان کے اعلیٰ کمانڈر ملا عمر بھی اس مدرسہ کے فارغ التحصیل طلباء میں سے تھے اور جمعیت علمائے اسلام (س) سے منسلک تھے۔۲۸

۱۱ ستمبر ۲۰۰۱ء کے واقعات نے دنیا کی سیاسی حالات پر انمٹ نقوش چھوڑے۔ افغانستان میں طالبان حکومت کو بالآخر زبردستی ختم کیا گیا۔ ان بدلتے حالات کے پیش نظر پاکستان میں سرکردہ مذہبی سیاسی جماعتوں بشمول جمعیت العلمائے اسلام (س) نے ایک جھنڈے تلے جمع ہونے کا فیصلہ کیا اور اس طرح متحدہ مجلس عمل کا قیام عمل میں لایا۔ دوسری جماعتوں کی طرح سمیع الحق کی پارٹی بھی اس اتحاد میں پیش پیش تھی۔

جمعیت علمائے پاکستان

اس سیاسی مذہبی پارٹی کا بنیادی منبع مسلمانوں کا سنّی بریلوی فرقہ ہے جو روایتی اسلام کی ترویج اور صوفی اسلام اور دوسرے مذہبی رسومات کو محفوظ رکھتا ہے جس کا وہابی فرقہ نفی کرتا ہے۔[۲۹] بریلوی فرقہ احمد رضا خان کے نظریات کو فروغ دیتا ہے پاکستان کے ابتدائی دنوں میں اس پارٹی کی قیادت مولانا عبدالحمید بدایونی کر رہے تھے۔ یہ جماعت دین کی خدمت میں مصروف عمل رہی اور پاکستان مسلم لیگ سے اسلامی نظام کی نفاذ کی توقع کرتی تھی لیکن مسلم لیگ سے دل برداشتہ ہو کر جمعیت علمائے پاکستان کے رہنماؤں نے انتخابی سیاست میں بلا واسطہ حصہ لینے کا فیصلہ کیا اور ملک میں نظام مصطفیٰ رائج کرنے کیلئے کوشش شروع کی۔ ملک کے ابتدائی عام انتخابات ۱۹۷۰ء میں اس جماعت نے قومی اسمبلی سندھ کی سات نشستیں حاصل کیں۔ تاہم ۱۹۷۷ء کے انتخابات میں یہ سیاسی منظر سے دور رہی اور اس انتخابات کو دھاندلی پر مبنی قرار دیا۔

۱۹۷۱ء میں جمعیت علمائے پاکستان کی قیادت مولانا قمرالدین سیالوی سے مذہبی عالم و فاضل مولانا شاہ احمد نورانی کو منتقل ہوئی۔ اس طرح مولانا نورانی صدر جبکہ مولانا عبدالستار نیازی اس جماعت کے سیکرٹری جنرل مقرر ہوئے۔ مولانا نورانی ایک چاق و چوبند اسلامی مبلغ تھے۔ آپ نے افریقہ کے ممالک میں دین اسلام کی پرچار کی اور بے شمار افراد آپ کی تبلیغ سے متاثر ہو کر دائرہ اسلام میں داخل ہوئے۔ لیکن مولانا صاحب کی بیرونی سرگرمیوں اور مصروفیات نے پارٹی کے کارکنوں اور اس کے درمیان ایک خلاء پیدا کیا۔ ان کی عدم موجودگی اور نوجوان طبقے کو پارٹی کی طرف متوجہ نہ کرنے کی وجہ سے بالآخر خادمین کنونشن کا راستہ ہموار ہو گیا۔ ۱۵ فروری ۱۹۹۰ء کو خادمین کنونشن لاہور میں منعقد ہوئی جس میں جمعیت علمائے پاکستان نے مولانا نورانی کو پارٹی سے مستثنیٰ قرار دے دیا اور

مولانا عبدالستار خان نیازی کو پارٹی کا صدر منتخب کیا۔[۳۰] ۱۹۹۰ء کی دہائی میں اس جماعت نے پاکستان کی انتخابی سیاست میں اگرچہ حصہ لیا لیکن کوئی قابلِ ذکر کامیابی حاصل نہ کر سکی۔ اس لیے ۲۰۰۱ء میں نیازی اور نورانی گروہ ایک بار پھر اکٹھے ہوئے اور مولانا شاہ احمد نورانی کو جمعیت علمائے پاکستان کے سپریم کونسل کا چیئر مین مقرر کیا۔ ایک پارٹی میں ضم ہونے کے بعد عبدالستار خان نیازی کو صدر جبکہ پروفیسر شاہ فریدالحق کو پارٹی کا سیکرٹری جنرل منتخب کیا گیا۔ لیکن ۲۰۰۲ء کے انتخابات سے پہلے جب متحدہ مجلس عمل کی بنیاد ڈال دی گئی تو ایک بار پھر مولانا شاہ احمد نورانی جمعیت علمائے پاکستان کے صدر منتخب ہوئے۔

اسلامی تحریک پاکستان

متحدہ مجلس عمل میں شامل شیعہ گروہ اسلامی تحریک پاکستان جس کو پہلے تحریکِ جعفریہ کے نام سے جانا جاتا تھا، کی نگرانی علامہ ساجد نقوی کر رہے تھے اور ملک میں بڑے مذہبی اقلیتی جماعت کے طور پر منظرِ عام پر آنا چاہتے تھے۔[۳۱] شیعہ فرقہ دو بڑے گروہوں پر مشتمل ہے۔ اسماعیلی شیعہ آغا خان کریم کے زیر سایہ ہے یہ اگر ایک طرف کراچی کے پُر اثر تاجر برادری پر تو دوسری طرف پاکستان کے شمالی علاقہ جات کے باشندگان پر مشتمل ہیں جو خاص طور پر ہنزا اور گلگت کی وادیوں میں رہتے ہیں۔ شیعہ برادری کا دوسرا بڑا گروہ اِثنا عشَرَ بارہ ہے جو کہ بارہویں امام کے پیروکار ہیں۔ ان کے ایران کے ساتھ گہرے روابط اور اندرونی استحکام کی وجہ سے ملک کی سیاست میں نظر انداز نہیں کیا جا سکتا۔ دیوبند اور اہلحدیث کی شدت پسند شاخیں شیعہ برادری کو دائرہ اسلام سے خارج سمجھتے ہیں۔ سپاہِ صحابہ پاکستان کا مطالبہ ہے کہ آئینی ترمیم کے ذریعے شیعہ برادری کو اسلام سے خارج کیا جائے۔ اس قسم کی فرقہ واریت میں بیرونِ ممالک بھی شامل ہیں۔ مثلاً دیوبند اور اہلحدیث کے کچھ شدت پسند گروہوں کو سعودی عرب مالی تعاون دیتا ہے تا کہ ایران کے زیر اثر شیعہ تحریک کو روکا جا سکے۔ تاہم ۲۰۰۲ کے انتخابات سے پہلے یہ تمام مذہبی سیاسی فرقے اور جماعتیں نے کچھ عرصہ کیلئے امن و آشتی کو فروغ دے کر متحدہ مجلس عمل میں شامل ہوگئیں۔ جہاں دوسرے سیاسی مذہبی جماعتوں نے اس اتحاد میں اپنا کردار ادا کیا وہاں اسلامی تحریک پاکستان نے بھی ایثار اور صبر وتحمّل سے اپنا مثبت کردار ادا کیا۔[۳۲]

جمعیت اہلحدیث

متحدہ مجلس عمل کی اس سیاسی مذہبی جماعت کی قیادت پروفیسر ساجد میر کر رہے تھے۔ جمعیت اہلحدیث کسی بھی مکتبہ فکر سے وابستہ فقہ کو رد کرتا ہے۔ اس جماعت سے وابستہ مذہبی نمائندے اپنے آپ کو غیر مقلدین سمجھتے ہیں۔ ان کی اکثریت تاجر برادری سے منسلک لوگ ہیں جو صرف اور صرف قرآن و حدیث کو اسلامی قوانین کا منبع سمجھتے ہیں اور کسی بھی تجدید کو نقصان دہ اور بدعت سمجھتے ہیں۔ جمعیت اہلحدیث نے بھی ساجد میر کی سربراہی میں دوسرے مذہبی جماعتوں کی طرح چھوٹے موٹے اختلافات کو نظرانداز کر کے متحدہ مجلس عمل کے پلیٹ فارم پر قدم رکھا اور ۲۰۰۲ کے انتخابات میں اس اتحاد کی انتخابی مہم میں بڑھ چڑھ کر حصہ لیا اور اس اتحاد کو کامیاب کرنے میں اپنا کردار بخوبی ادا کیا۔[۳۳]

متحدہ مجلس عمل کا سیاسی منشور اور انتخابی مہم

کسی بھی سیاسی معاشرے کے عوام کو ایک سیاسی گروہ، جماعت یا پارٹی کے حق میں متحرک کرنے کیلئے انتخابی مہم کلیدی کردار ادا کرتی ہے۔ متحدہ مجلس عمل میں شامل چھ سیاسی مذہبی جماعتوں نے اس اتحاد میں شامل ہونے سے قبل اپنے درمیان تمام نفرتوں اور کدورتوں کو دفنا دیا۔ وہ مذہبی رہنما جو پہلے ایک دوسرے کے مخالف تھے اب ایک مشترک مقصد کے حصول کی خاطر یک جان و یک زبان ہو گئے۔ اسلام کے نام پر متحد اس اتحاد نے امریکہ کے خلاف علم بغاوت بلند کیا۔[۳۴] اگرچہ ماضی میں یہ مذہبی سیاسی جماعتیں بنیادی اسلامی تعلیمات کی تشریح پر ایک دوسرے کی مخالف تھیں اور یہاں تک کہ ان میں بعض فرقہ وارانہ فسادات سے بھی باز نہ آتے تھے لیکن ۲۰۰۲ء کے انتخابات نے ان کو ایک ایسا موقع فراہم کیا جس کی بدولت وہ متحد ہو کر دین اسلام کے نام پر لوگوں کے ووٹوں کو اپنی طرف کھینچیں۔ اسی خاطر ملک میں موجود تمام چھوٹی بڑی مذہبی سیاسی جماعتیں متحدہ مجلس عمل کے جھنڈے تلے اکٹھی ہوئیں۔ اور انتخابات میں بڑھ چڑھ کر حصہ لیا۔ اس اتحاد نے اپنے آپ کو عوام کے سامنے ایک واحد متبادل سیاستی جماعت کے طور پر پیش کیا اور بدعنوان سیاسی جماعتوں اور مغرب پسند حکمرانوں جیسے صدر مشرف کے خلاف عوام کی توجہ طلب کی۔ متحدہ مجلس عمل کے رہنماء اس بات پر یقین رکھتے تھے کہ علاقائی انتخابی حلقوں میں موجودہ صورتحال اتحاد کی کامیابی کیلئے ماضی کی بہ نسبت ایک بہترین موقع تھا۔ جس کے ذریعے وہ پورے ملک سے بالعموم اور خیبر پختونخوا اور پشتون بلوچستان

سے بالخصوص ووٹروں کو بآسانی اپنی طرف مائل کر سکتے تھے جہاں پر طالبان کیساتھ لوگوں کی ہمدردیاں قدرے زیادہ تھی۔ متحدہ مجلس عمل نے سب سے پہلے اپنے انتخابی مہم کا آغاز کیا اور اس کے رہنماؤں نے اپنی تقریروں میں ملک کے عوام کو اس بات کی آگاہی دی کہ اس اسلامی اتحاد کو اگر منتخب نہیں کیا گیا تو آنے والے دن ملک کیلئے مہلک ثابت ہو سکتے ہیں۔ متحدہ مجلس عمل نے شہریوں کو یہ باور کرایا کہ جن علاقوں میں اتحاد کی حکومت قائم ہوگئی کم از کم وہاں پر اسلامی نظام متعارف کرایا جائے گا اور امریکہ کی طاقت کو اس خطے سے ختم کرنے کیلئے آگے بڑھیں گے۔ مجلس عمل نے میڈیا کو متنبہ کیا کہ اسلام کے خلاف پروپیگنڈے سے باز آئے۔ انتخابی مہم کے دوران امریکہ کی مسلم دنیا میں مداخلت سے گریز پرزور دیا اور طالبان حکومت جن کو امریکہ اور اس کے اتحادیوں نے گرایا، اُن کے ساتھ ہمدردی کا بھرپور اظہار کیا۔ اس قسم کی سیاسی اور انتخابی سرگرمیوں نے ملک میں بالعموم اور خیبر پختونخوا اور بلوچستان میں بالخصوص ووٹروں کی نگاہ اس اسلامی اتحاد کی طرف مبذول ہوگئی۔ ۳۵

انتخابات سے پہلے متحدہ مجلس عمل نے اپنے پندرہ نکات پر مشتمل سیاسی منشور کا اعلان کیا۔ اور اپنے جلسوں میں اس کی خوب تشہیر کی۔ یہ نکات مندرجہ ذیل تھے۔

۱- اللہ تعالی کی فرمانبرداری، پیغمبرؐ سے محبت اور لوگوں کی خدمت جس کیلئے حکومت کے اعلی عہدیداران اور کابینہ کے اراکین کو بالخصوص عملی طور پر کام کرنا ہو گا۔

۲- پاکستان کو ایک حقیقی اسلامی فلاحی ریاست بنانا تاکہ لوگوں کو انصاف میسر آ سکے اور بدعنوانی کا قلع قمع ہو سکے۔

۳- ملک کے تمام شہریوں کو بنیادی حقوق بالخصوص روٹی، کپڑا، مکان، تعلیم، روزگار اور شادی بیاہ کیلئے اخراجات دینا۔

۴- شہریوں کے بنیادی حقوق کا تحفظ کرنا۔

۵- شہریوں کے حلال روزگار، تجارت اور سرمایہ کاری کی خاطر ایک صاف و شفاف معاشی نظام کو عمل میں لانا۔

۶- صدر مملکت سے ملک کے ایک عام آدمی تک یکساں اور تیز تر انصاف کی رسائی۔

۷- خداترس، معاون، نڈر اور محافظ پولیس نظام کا رائج کرنا۔

۸- شہریوں کو اپنی ذمہ داری اور حقوق کی پہچان کی خاطر دس سال کے اندر اندر پورے معاشرے میں خواندگی کا فروغ دینا۔

۹- دسویں جماعت تک لازمی اور مفت تعلیم کی بہم رسائی اور لائق طلباء کو جدید تحقیق کے مواقع مہیا کرنا۔

۱۰- اسلام کے مطابق عورتوں کے حقوق کی پاسداری اور اُن کی عزت اور احترام کی بحالی۔

۱۱- پرانے اور نئے جاگیرداری نظام کا خاتمہ اور غیرقانونی دولت کی بیخ کنی اور دولت کا غریب لوگوں میں منصفانہ تقسیم۔

۱۲- کاشتکاروں اور کسانوں کو ان کے ذریعہ معاش کی خاطر زمینیں دینا۔

۱۳- صوبائی خودمختاری، ضلعی حکومتی نظام، پسماندہ علاقوں اور طبقوں کی دیکھ بھال کرنا یہاں تک کہ وہ دوسرے ترقی یافتہ علاقوں کے برابر ہو جائیں۔

۱۴- عوام کو سامراجی طاقتوں اور اُن کے مقامی ایجنٹوں کے اثر و رسوخ سے نجات دلانا۔

۱۵- دنیا کے تمام تر مصیبت زدہ لوگوں بالخصوص کشمیری، افغان، فلسطینی اور چیچن لوگوں کی اخلاقی، سیاسی اور معاشی امداد کرنا۔**۳۶**

متحدہ مجلس عمل کا انتخابی مہم اور سیاسی منشور زیادہ واضح تھا اور انتخابات کو اسلام پسند اور مغرب پرور طاقتوں کے مابین نظریاتی معرکہ کی طرح پیش کیا۔ اتحاد میں شامل تمام مذہبی جماعتوں کو یقین تھا کہ لوگوں کے امریکہ مخالف جذبات ہی کی بدولت ان کو ووٹ حاصل ہوں گے۔انتخابی سرگرمیوں کے دوران مجلس عمل کے رہنماؤں مولانا شاہ احمد نورانی، مولانا سمیع الحق اور دیگر نے ملک کی معاشی سماجی اور دوسرے متعلقہ معاملات کو ایک طرف رکھ کر بالخصوص امریکہ مخالف جذبات و احساسات کی اتحاد کے پلیٹ فارم سے خوب تشہیر کی۔ ووٹروں کی توجہ اور ہمدردی حاصل کرنے کیلئے یہ طریقہ کار سب سے افضل ثابت ہوا اور عام آدمی نے مجلس عمل کی انتخابی سرگرمیوں میں بڑھ چڑھ کر حصہ لینا شروع کیا۔**۳۷** متحدہ مجلس عمل بنیادی طور پر ہلچل پیدا کرنے والی مذہبی جماعتوں کا اتحاد تھا جس نے لوگوں سے اس بنا پر اپیل کی کہ یہ اتحاد ملک میں شریعت کا نفاذ عمل میں لائے گا اور معاشرے میں حقیقی اور مثبت تبدیلی کا باعث بنے گا۔ اس اتحاد نے ۱۹۷۳ء کے آئین کی بحالی پر کسی بھی سمجھوتے سے انکار

کیا، ملک میں وفاقی پارلیمانی نظام رائج کرنے اور سیاسی اداروں کی آزادی کا مطالبہ کیا۔ اس نے مقامی حکومت کے نظام پر خدشات کا اظہار کیا اور اس امر پر زور دیا کہ یہ نظام صوبائی حکومت کے ساتھ متصادم تھا۔۳۸

۱۰/ اکتوبر ۲۰۰۲ء کو قومی اورصوبائی اسمبلیوں کے انتخابات منعقد ہوئے۔ عوام نے ان انتخابات میں بڑھ چڑھ کر حصہ لیا۔۷۱۹۱۳۸۵۰ رجسٹرڈ ووٹروں میں سے ۲۹۹۷۲۳۵۳ ووٹروں نے حق بالغ رائے دہی استعمال کرتے ہوئے مختلف سیاسی جماعتوں کو ووٹ دیئے۔ان انتخابات کا خاصہ یہ تھا کہ ان میں گزشتہ دو عام انتخابات سے زیادہ ووٹروں نے اپنے ووٹ استعمال کیے اور مثبت تبدیلیاں مثلاً لاکھوں نئے ووٹروں کا اندراج ہوا، درجنوں سیاسی جماعتوں نے ایک دوسرے پر اعتبار کر کے سیٹوں کی ایڈجسٹمنٹ کی۔ پارلیمنٹ کے دونوں ایوانوں اور صوبائی اسمبلیوں میں اراکین کی تعداد میں اضافہ ہوا، مرکزی اور صوبائی سطح پر خواتین کی نشستوں میں اضافہ کیا گیا۔ بہت سے نئے اشخاص سیاست کے میدان میں نمودار ہوئے۔ تاہم دو بڑی سیاسی جماعتیں یعنی پیپلز پارٹی پارلیمنٹیرین اور نواز لیگ کو کافی مشکلات کا سامنا کرنا پڑا کیونکہ دونوں جماعتیں اپنی قیادت سے محروم تھیں۔۳۹ اور اس کا بالواسطہ فائدہ متحدہ مجلس عمل کو ہوا اور قومی اسمبلی کی ۲۴۲ کل نشستوں میں سے ۵۲ نشستوں پر کامیابی حاصل کر کے متحدہ مجلس عمل نے تاریخ ساز فتح حاصل کی۔ اس کے علاوہ قبائلی علاقوں سے جو سات اراکین کامیاب ہوئے تھے، ان کو بھی اس اتحاد کی ہمدردی حاصل تھی اس لیے یہ سات اراکین بھی عملی طور پر اس اتحاد کا حصہ بنے۔

حوالہ جات

1- Altaf Ullah, *"The 2002 National Elections in Pakistan: An Analysis"*, MPhil Dissertation, National Institute of Pakistan Studies, Quaid-i-Azam University, Islamabad, 2007, p. 43.

۲- دوسری سیاسی جماعتیں جنہوں نے ۲۰۰۲ء کے انتخابات میں حصہ لیا وہ درجہ ذیل تھی۔ چھ پارٹیوں پر مشتمل نیشنل الائنس جس کی نگرانی پاکستان کے سابق نگران وزیر اعظم مصطفیٰ جتوئی کر رہے تھے، پاکستان تحریک انصاف اور پاکستان عوامی تحریک جن کو بالترتیب عمران خان اور طاہرالقادری کی سرپرستی حاصل تھی، علاقائی اور قوم پرست سیاسی جماعتوں میں متحدہ قومی موومنٹ(سندھ) عوامی نیشنل پارٹی (خیبرپختونخوا)، جمہوری وطن پارٹی، بلوچستان نیشنل موومنٹ، پختونخوا ملی عوامی پارٹی (بلوچستان) کے نام سرفہرست تھیں۔ ایضاً،ص۴۴۔

3- *The Herald*, October, 2002, p. 32.

4- Musa Khan Jalalzai, *The US War on Terrorism in Afghanistan*, (Lahore: Sang-e-Meel Publications, 2002), p. 126.

۵- جمعیت علمائے پاکستان کے نگران مولانا شاہ احمد نورانی، جماعت اسلامی کے امیر قاضی حسین احمد، جمعیت اہلحدیث کے نگران ساجد میر اور اسلامی تحریک پاکستان کے سرپرست ساجد نقوی تھے۔ *The Herald,* November 2002, p. 126.

۶- روزنامہ نوائے وقت، لاہور،۱۵ فروری ۱۹۹۸ء۔

7- Asma Begum, *"The Rise and Role of Jamaat-i-Islami Pakistan 1947-1958"*, M.Phil Thesis, Department of History, Quaid-i-Azam University, Islamabad, 1996, p. 93.

8- M. Rafique Afzal, *Political Parties in Pakistan 1958-1969*, (Islamabad: National Institute of Historical and Cultural Research, 1987), p. 95.

9- Altaf, *"The 2002 National Elections in Pakistan: An Analysis",* p. 49.

10- Kalim Bahadur, *The Jama'at-i-Islami of Pakistan* (Lahore: Progressive Books, 1978), pp. 125-26.

11- Altaf, *"The 2002 National Election in Pakistan: An Analysis"*, pp. 49-50.

12- Syed A.S. Pirzada, *The Politics of Jamiat Ulama-e-Islam*, (Karachi: Oxford University, Press, 1999), p.4.

۱۳- ایضاً۔

۱۴- ایضاً، ص۵۔

15- M. Ismail Khan, *"Jamiat Ulema-e-Islam (F)"* in A.B.S. Jafri, ed. *The Parties of Pakistan* (Karachi: Royal Book Company, 2002), p. 132.

۱۶- ایضاً۔

17- Afzal, *Political Parties,* p. 85.

۱۸- ایضاً،ص۸۷۔

۱۹- ایضاً۔

20- Ismail, *"Jamiat Ulemae Islam (F)"*, p. 33.

۲۱- مولانا مفتی محمود،۱۴/اکتوبر۱۹۸۰ء کو رضائے الٰہی سے اس دنیائے فانی سے رحلت کر گئے۔ اسی سال جمعیت علمائے اسلام کے مرکزی شوریٰ کا اجلاس لاہور میں منعقد ہوا۔ جس میں مولانا فضل الرحمٰن کو مذکورہ اختیارات سونپ دیئے گئے۔ Altaf, *"The 2002 National Elections"*, p. 52.

22- *Daily Times*, 7 December, 1997.

۲۳- امریکہ کی ریاست ہائے متحدہ میں جب واشنگٹن اور نیو یارک پر ۱۱ ستمبر ۲۰۰۱ء کو ہوائی حملے ہوئے تو اس کے عوض امریکہ نے دہشتگردی کے خلاف عالمی جنگ شروع کی۔ پاکستان نے اس جنگ میں امریکہ کا ساتھ دیا اور اس طرح امریکہ کا پہلے صف کا اتحادی کہلانے لگا۔ Ismail, *"Jamiat Ulema Islam (F)"*, pp. 35-36.

۲۴- ایضاً، ص۳۶۔

25- Altaf, *"The 2002 National Election in Pakistan: An Analysis"*, p. 53.

۲۶- ایضاً، ص ص ۵۴-۵۳۔

27- Faraz Hashmi, *"Jamiat Ulema-i-Islam (S)"* in A.B.S. Jafri, ed. *The Political Parties of Pakistan,* (Karachi: Royal Book Company, 2002), p. 42.

۲۸- ایضاً۔

29- S.M. Ikram, *Modern Muslim India and the Birth of Pakistan*, (Lahore: Siraj Munir Publishers, 1990) pp. 20-21.

30- Habib Khan Ghori, *"Jamiat Ulema-i-Islam (N)"* in A.B.S. Jafri, ed. *The Political Parties of Pakistan*, (Karachi: Royal Book Company, 2002), p. 38.

31- *Dawn,* Karachi, 22 October, 2002.

32- Altaf, *"The 2002 National Election in Pakistan: An Analysis"* pp. 56-57.

۳۳- ایضاً، ص ۵۷۔

34- Nadim Haider Bangash, *"Talibanization of NWFP: A Case of Success of the MMA in 2002 Elections"*, M. Phil Thesis, National Institute of Pakistan Studies, Quaid-i-Azam University, Islamabad, 2005, p. 81.

35- Altaf, *"The 2002 National Elections in Pakistan: An Analysis"* p. 58.

36- Bangash, *"Talibanization of NWFP",* pp. 83-84. Also روزنامہ مشرق، پشاور، ۱۸ ستمبر ۲۰۰۲ء۔

37- *The Herald*, October, 2002, p. 20.

38- Altaf Ullah, *"The Role of Political Parties in the 2002 National Elections of Pakistan"* in *Pakistan Journal of History and Culture,* Vol. XXIX, No. 1, January - June 2008, p. 113.

۳۹- الطاف اللہ، ''پاکستان میں انتخابی سیاست کا پس منظر اور ۲۰۰۸ء کے انتخابات تاریخ کے آئینے میں'' ششماہی مجلہ تاریخ و ثقافت پاکستان، جلد ۱۸، شمارہ ۲، شمارہ مسلسل ۳۶، اکتوبر ۲۰۰۷ء-مارچ ۲۰۰۸ء، ص ۵۷۔

ادارہ هـذا کـی نـئـی اشـاعـت

کتاب سے متعلق

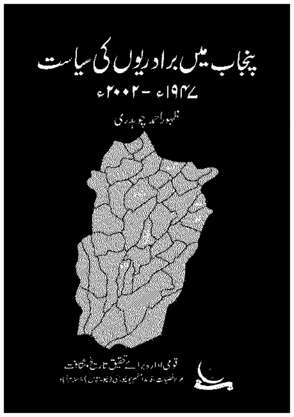

پنجاب کے لوک معاشرے میں جہاں زراعت ہمیشہ سے معیشت کا ایک لازمہ رہی ہے وہاں ذات برادریوں کا وجود اور ان کی اہمیت بھی ایک ایسی مسلّمہ حقیقت ہے جس سے انکار ممکن نہیں۔ ذات برادری نے پنجابیوں کے طرزِ معاشرت، خانگی زندگی، رسوم و رواج، ثقافت اور سیاست پر گہرے اثرات مرتب کئے ہیں کیونکہ پنجاب کا ہر ایک باشندہ ان سماجی اداروں سے منسلک ہے۔ اکثر اوقات پنجابی سماج میں یہ تعلق بزعمِ خود، اعلیٰ ذات سے ہونے کی وجہ سے احساسِ برتری یا نسلی تفاخر جبکہ نچلی ذاتوں یا پیشوں کے افراد کے لئے ندامت اور احساسِ کمتری پیدا کرنے کا باعث بنتا ہے۔

زیرِ نظر تحقیق میں برادریوں کے تاریخی اور سماجی پس منظر، پنجابی معاشرے میں اُن کے مقام اور کردار نیز بلدیاتی انتخابات سے لے کر قومی اور صوبائی انتخابات میں اُن کے فعال کردار کا احاطہ کرنے کی کوشش کی گئی ہے۔ اسی طرح ملکی سیاسی جماعتوں کے اپنے مقاصد کے حصول کے لئے مضبوط برادریوں کے ہاتھوں بلیک میل ہونے اور حالیہ دور میں ہونے والی شہر کاری (Urbanization) اور صنعت افروزی (Industrialization) جیسی تبدیلیوں کے پیشِ نظر برادریوں کے سیاسی کردار اور اجارہ داری میں متوقع تبدیلی بھی اس بحث کا حصہ ہے۔

بذریعہ ڈاک منگوانے کیلئے رابطہ کریں

ناشر: قومی ادارہ برائے تحقیق تاریخ و ثقافت،
مرکزِ فضیلت، قائد اعظم یونیورسٹی (نیو کیمپس) شاہدرہ روڈ، اسلام آباد
فون نمبرز: 051-2896151, 2896153-4/141
ای میل: nihcr@hotmail.com ویب سائٹ: www.nihcr.edu.pk